

مکتوب کاؤنٹے گلازرا وارلی



مکتوب کاؤنٹ گلازراوانی



راہم اختر، راجپوتانہ کے ایک علی سید، مالدواری بھارت کے علی شاہ گھڑی میں دروازہ کھولیں

حضرت سید عبد السلام
عرف میل ناگہ رحمتہ
اللہ علیہ کی جانب سے
کتاب وارثہ کی یہ
میسرین کاوش کی گئی جو
کہ ایک سفید پوش
گروہ میں ایسے وقت کے
کامل ترین عالم یا عمل
والی فطر جو تاحق
سلسلہ حضرت عبداللہ
شاہ شہید رحمتہ اللہ
علیہ سے ہیں لکن اسرار
صدر گزراہیں میں ان کا
موراثہ ہے

یہ کام وارثہ پاک غلام
نواز عطیہ اللہ واکرمہ کے
حکم پر کیا گیا اس کام کو
کوئی وارثہ نہیں چاہ
منسوب کر کے توہین
حکم مرشد کا ارتکاب نا
کرتے اگر کوئی بھی
شخص یہ کہے کہ اس
نے میں دی ایف بی ای تو
میں لیجیے گا کہ یہ
جھوٹ بول ہے غلام کا
کام غلامی کرنا ہے یعنی
مرشد کے حکم کی
تعمیل کرنا ہے نا کہ
تعریف اور واہ والی وصول
کرنا

برائے میراثی سب
وارثوں پر حکم مرشد کی
اتباع لازم ہے جھوٹ
بولنے اور واہ والی سے ہر
بیزگرمی شکریہ



مختصر احوال کاؤنٹ گلازرا وارثی

آخر دسمبر ۱۹۶۲ء میں ایک نوجوان یورپین عیسائی جس کو اب خدا کا مقبول بندہ کہنا چاہیے۔ پیرس سے ایک مترجم کو ہمراہ لے کر دیوٹی شریف آیا اور حاضر خدمت ہو کر آپ کے دست حق پر تاب ہوا اور بعد ازاں بہت بھراؤ غیز دنیا را استدعا کی کہ آپ کے توسط سے اسی زندگی میں اور انہیں آنکھوں سے حقیقت صفات صمدیت سے آگاہی اور تجلی انور احادیث کا مشاہدہ چاہتا ہوں۔

سرکار عالم پناہ نے بکمال شفقت اس کی تسکین اور شفی فرمائی اور تبسم کے ساتھ اس طالب خدا کو پسے سے لگا لیا۔ اور بعض ایسے ہدایت آمیز کلمات مشتمل بہ رموز و نکات ارشاد فرمائے جن کے اثرات روحانی سے وہ خوش نصیب جوش محبت سے کیف اور انراط مسرت سے آبدیدہ ہو گیا۔ حضور نے حاجی دوگٹ شاہ کو حکم دیا کہ ان کو ٹھاکر کے مکان میں ٹھیرا دو اور ان کے آرام کا سامان کر دو۔ اور کھانے کا خیال نہ کرنا۔ کوئی تکلیف نہ ہو۔

بعد وہ نوگرفتار دام محبت شام کو بغرض قدمبوسی حاضر خدمت ہوا۔ تو حضور نے مترجم سے فرمایا کہ کو بکھا دو کہ محبت خدا کی قیمت روپیہ اور مشرفی نہیں ہے۔ جو شخص اپنی عافیت چھوڑتا ہے اس کو نہ ملتا ہے۔ اگر تصدیق ہو تو ہر چیز میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔

پھر دوسرے روز بعد ظہر حضور قبلہ عالم نے اس کو بلا کر شیرینی اور نصف تہ بند مرمت فرمایا اور ارشاد ہوا جاؤ ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ رہے گی۔

خادموں نے اس خدا شناس عیسائی کا نام و نشان مترجم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس جوان صالح کا نام ”کوئنٹ گلازرا“ ہے۔ اور امرائے اسپین کے ایک ممتاز خاندان کا یہ رکن ہے اور بڑے دولت مند شخص کا بیٹا ہے۔ مگر بہ نظر تفریح پیرس کے مشہور کانٹی ٹینل ہوٹل میں رہتا رہتا ہے اور ملاوہ علوم مذہبی کے دیگر فنون کا ماہر خصوصاً علم کلام کلبے مثل عالم ہے۔

حالانکہ ہمیشہ سے طبیعت اس کی حق پسند اور دھانیت پرست تھی اور ارباب زہد اور تمام تصوف کا ہمیشہ متلاشی رہتا تھا لیکن مشرعات نام علی صاحب دارنی متوطن شہر سرام جو ہر شریکان دینے دلا بیت گئے تھے۔ ان کا زبانی جب حاجی صاحب قبلہ کا نام نامی سنا اور آپ کے

صفات سے آگاہ ہوا۔ اُس وقت سے مشتاق زیارت تھا۔

حضرت قبلہ عالم کے وصال کے تھوڑے عرصہ کے بعد مسٹر کونٹ گلارزا نے پیرس سے اپنے دستخطی اور جبری شدہ خط مورخہ ۱۳ مئی ۱۸۹۱ء کے آخری حصہ میں مترجم کی معرفت حاجی ادگھٹ شاہ صاحب دار ثی کو یہ لکھا ہے "میں آپ سے معاف کرنا ہوں اپنے دلی کے حضور میں نے ان کو دیکھا کہ دوسرے عالم میں جا رہے ہیں۔ اور موت کے قریب انہوں نے اپنے وعدے اور میرے خواہش کو پورا کر دیا۔ اور مجھ کو اپنے قلب سے تمام کر لیا۔"

پھر اس خوش نہاد عیسائی کا دوسرا خط مرقومہ ۸ ستمبر ۱۸۹۱ء حاجی ادگھٹ شاہ صاحب دار ثی کے پاس آیا جس میں کونٹ گلارزا نے صبرت اپنی اس تحقیق و تدقیق کا تذکرہ کیا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے وہ احکام میرے واسطے معروف الفاظ میں صادر فرمائے تھے۔ میں نے ان جملوں کے مطابق معنوی ہر اپنے خیالات قائم کئے ہیں۔

اس کے بعد مسٹر کونٹ گلارزا دار ثی اپنے تیسرے خط مورخہ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں لکھتے ہیں۔
 "سیہی ادگھٹ شاہ ذہب صاحبی المترجمہ لذلك اکتب لك بالحرية بية"
 کہ میرا مترجم گیا ہے اس وجہ سے میں تم کو عربی میں لکھتا ہوں۔

فَرَحْنَعْنُ اشْتَغَالِي بِالْعُلُومِ وَالْأَنْ أَعْرِضُ فِي التَّوْحِيدِ "میں نے علمی مشاغل سے فارغ ہو گیا ہوں اور توحید کے دریا میں غوطہ زن ہوں۔"

اس کے بعد عرصہ تک مسٹر کونٹ گلارزا کا خطا نہیں آیا۔ اور نہ کسی دوسرے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ وہ صادق الامادات کہاں اور کس حالت میں ہے۔ لیکن نین سال کے انتظار کے بعد اس ادارہ و شت محبت کا خط مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء مصر سے حاجی ادگھٹ شاہ صاحب کے پاس آیا جس کے مضامین سے ظاہر ہوا کہ سلف سے عشق و محبت کا جو مشہور کرشمہ انھوں نے نتیجہ زباں زد ہے کہ محب صادق کو شوق وصال شاہ حقیقی میں ناقابل برداشت صدمات کا سامنا ہونا ضروری اور غیر معمولی صعوبات کا پیش آنا لازمی ہے اس لحاظ سے مسٹر کونٹ بھی ابتلا محبت میں مبتلائے آلام ہوئے۔ اور دفعتاً ایسے ایسے حادثات رونما ہوئے کہ مجبور ہو کر وطن مالون سے دوبارہ قاهرہ کے مشہور دارالعلوم جامع ازہر میں بحیثیت پروفیسر فلسفۃ الہیات کا درس دینا شروع کیا۔ مسٹر کونٹ اپنے اس خط میں لکھتے ہیں: "قَدْ مَرَرْتُ ثَلَاثَ سِنِينَ أَيْهَا الْأَخُ الْخَلَاءِ"

میں اے پیارے بھائی تین سال سے ملاقات نہیں ہوئی اَلْحَالِ اِنِّیْ لَا اَبْرَحُ اَنْظُرُ دَارِیْمَا اِلٰی
بَنٰی الْمُحِبُّوْبِ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ بِشَیْءٍ" میں ہمیشہ اپنے برگزیدہ خدا محبوب کی تصویر سامنے رکھتا ہوں
پھر اپنی موجودہ حالت کا اظہار اور بعض مصائب کا بصراحت ذکر کرتے ہیں۔ "وَسَلَّکْتُ نَعْبُ
اِلَیْ مَقْتَحَانِ الصَّعْبِ وَکَمْ یَنْزِلُ یُعْزِزُ مِنْ لٰی مَحْنٍ" اور بعض سخت امتحان میں مبتلا ہوا اور دشواریاں
پیش آئیں۔ "فَنُوَلِّیْ سِیْ تُوْنِیْ وَ اَکْثَرُ مَا لِهٖ سَاحَ وَ لٰی اُمِّکَ وَ اَخْتَانِ" کہ میرا باپ مر گیا اور اس کا
مال تلف ہو گیا اور میری ماں اور دو بہنیں ہیں۔

علاوہ ان خطوط کے ایک مطول خط اور بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ جو اس پرستار بارگاہ
دارثی نے ملک غلام محمد خاں صاحب دارثی اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف
کو اس وقت لکھا تھا جبکہ جامع اظہر کی بائیس سالہ خدمت کے بعد موصوف بغرض سیاحت
ہندوستان آئے تھے اور کلکتہ کے تعلیم یافتہ حضرات نے آپ کو مدرسہ عالیہ کا عربک پروفیسر بنایا۔
مسٹر کونٹ گلارز نے اس خط میں اپنی قدیم ذہنیت کے انقلاب اور جدید زندگی کے
قابل ذکر حالات اور حضور قبلہ عالم کی خدمت میں ماضی اور اس مختصر صحبت کے متعدد مفاد اور
کثیر برکات اور آپ کی عنایت سے روحانی یافتہ۔ اور اس کے گرانقدر ثمرات۔ خانہ بربادی کے
آلام میں مبتلا ہونا۔ قاہرہ میں عرصہ تک قیام کرنا اور ہندوستان آنے کے اسباب نہایت تسلسل
اور وضاحت کے ساتھ قلمبند کئے ہیں۔ اس خط کا ترجمہ قارئین کرام کے مطالعہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

ترجمہ خط وائیکونٹ گارلا آف سینٹا کلارا

مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۲۲ء

محترم بندہ حضرت حاجی صاحب قبلہ کے متعلق جو سوال آپ نے مجھ سے پوچھا ہے اس کا جواب لکھتے ہوئے مجھے مسرت ہوتی ہے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق اب میں عرض کرتا ہوں کہ حاجی صاحب کے متعلق مجھے کیا کچھ معلوم ہے اس متلاشی حق بزرگ سے میری ملاقات کا ہونا میری زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے جس کی صحیح قدر قیمت کا اندازہ میرے سوانح حیات کے کم از کم ایک سرسری مطالعہ کے بغیر مشکل سے کیا جاسکتا ہے۔ جو وابستگی مجھے ان کی ذات سے تھی اس کا حال قلب بند کرنا میرے لئے مسرت کا موجب ہے۔ میری ممنونیت کا تقاضا بھی یہی ہے اور ممنونیت ان پاکیزہ اوصاف میں سے ہے جن کو خداوندی کہا جاسکتا ہے۔

جو وابستگی مجھے حاجی صاحب قبلہ کی ذات سے رہی ہے وہی میری زندگی کا ایک ایسا رشتہ ہے جو بشری خامیوں سے مبرا ہے ان سے زیادہ مجھے کبھی کوئی محبوب نہیں ہوا حتیٰ کہ جو عقیدت مجھے اپنی والدہ سے تھی وہ بھی میرے دل کو اس قدر محمور نہ کر سکی بلکہ اپنی والدہ کے متعلق بھی میری سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ انہیں حاجی صاحب قبلہ کی سی بے نیازی اور ترک علائق نصیب ہوتا کہ اپنی وفات کے بعد وہ ہستی اور ہستی کے چکر سے آزاد ہو جاتیں۔ حاجی صاحب کی ذات میرے لئے پاکیزگی اور برتری کے تمام خوابوں کی تعبیر تھی جو عرصہء ساز سے میرے دل و دماغ میں سلنے ہوئے تھے۔ گویا جب عالم ظاہری میں میری آنے

فاتات ہوئی۔ اس سے بہت عرصہ پہلے وہ میرے دل میں رہتے تھے جو پاکیزگی اور فوق البشر
 بے نیازی حاجی صاحب قبلہ کی ذات میں نظر آتی تھی اس کا مجھے ایک دھندلا سا شعور اس
 وقت تک ہے جب ابھی میری عمر تیرہ سال کی تھی اُس وقت میں نے ہر مائیس مہاراجہ کشمیر سے یہ
 دریافت کیا تھا کہ آیا ہندوستان میں اب بھی کوئی خدا رسیدہ بزرگ ہیں؟ سلسلہ یاسنہ
 میں میں نے پہلی مرتبہ حاجی صاحب کا ذکر لندن میں سنا۔ اس زمانہ میں شیخ حبیب احمد صاحب
 ہندوستان سے آئے ہوئے تھے انہوں نے جوش اور فلسفے کے متعلق اپنے افکار بیان کئے
 لیکن ان سے میری تشفی نہ ہوئی۔ میری تشنگی کو دیکھ کر شیخ صاحب نے کہا کہ اگر تمہیں اس سے
 کچھ زیادہ مطلوب ہو تو میرے مرشد حاجی صاحب سے رجوع کرو۔ اس دن سے حاجی صاحب
 میرے خیال میں بس گئے اور وہ میری عرفان کی مثلثی روح کا منتہا سے مقصود قرار پائے
 میں نے ان سے ملنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس سے ایک سال پہلے میں نے اپنے والدین کی
 اجازت سے موسم سرما مصر میں بسر کیا تھا۔ وہاں مجھے یکسوئی اور سکون نصیب ہوا اور میں نے
 صوفیائے طریقت کے مطابق جو مجھے شیخ حبیب احمد نے سکھایا تھا تنہائی میں اسلئے الہی پر
 غور و فکر کیا۔ دوسرے سال مجھے پھر اجازت ملی اور پھر میں اپنے عربی کے استاد شیخ حسن کمری
 کے ساتھ پھر قاہرہ گیا مجھے معلوم تھا کہ میرے والدین مجھے ہندوستان ایسے دور دراز ملک میں
 جانے کی اجازت نہ دیں گے لیکن میں پوشیدہ طور پر پی اینڈ او کے جہاز مارمورا پر سوار ہو کر
 بمبئی پہنچا اور دل میں یہ ارادہ کیا کہ بہت جلد لوٹ جاؤں گا۔ ورنہ والدہ منکر ہوں گی
 میں نے چندے بمبئی میں قیام کیا اور اس کے بعد لکھنؤ پہنچا۔ لکھنؤ میں جیسا کہ میرا ایک
 دو سال سے معمول تھا۔ میں تقریباً سات گھنٹے روزانہ ایک اندھیرے کمرے میں بیٹھ کر تصور
 الہی میں مشغول رہتا تھا۔ لکھنؤ سے میں حسن عسکری کے ساتھ ایک گاڑی میں سوار ہو کر
 دیوبند شریف روانہ ہوا۔ دوپہر سے پہلے میں حاجی صاحب کے آستانہ پر جا پہنچا۔ اس وقت
 میری حالت یہ تھی کہ میں شدت جذبات سے تھر تھرا کانپ رہا تھا۔ میں نے اس سے پہلے

کبھی کوئی ہندوستانی گاؤں یا گروے لباس میں ملبوس فقیر نہ دیکھے تھے میرے گرو واپس
 جس قدر چیزیں تھیں وہ اس دنیا کی سلوم نہ ہوتی تھیں بلکہ ایک خواب کی مانند تھیں جس میں ظاہر
 باطن محسوسات اور غیر محسوسات سب ایک دوسرے میں مدغم نظر آتے ہیں پھر حاجی صاحب نے
 لائے۔ دائیں بائیں دو دریچے جنکے سہارے وہ چل رہے تھے۔ انباقد جسم زہد و ریاضت سے
 نزار نیلی آنکھیں آسمان کی طرح گہری اور شفات پشانی سیدھی اور بلند خود خال سوزوں گور
 رنگ سفید راق دارھی ہونٹوں پر غنوں شباب کی صوم مسکراہٹ۔ میرے جذبہ نے مجھے جرات
 دلائی اور میں نے دوز کر سر آپکے سینہ پر رکھ دیا۔ انہوں نے مجھے اپنے آغوش میں لے لیا اور فرمایا
 محبت محبت۔ ہم لوگ چٹائی پر بیٹھ گئے۔ جن عسکری نے ان کی ترجمانی کی۔ فرمایا۔ یہ شخص
 کہاں سے آیا ہے؟ اسکا مذہب کیا ہے؟ دوسرے سول کایں نے کچھ جواب نہ دیا۔ کیونکہ اس کا
 میرے پاس کچھ جواب نہ تھا۔ مجھے صحیح یاد نہیں کہ حاجی صاحب نے اس پر کہا کیا۔ مگر کچھ ایسا خیال ظاہر
 کیا کہ سب مذاہب کا مقصد ایک ہی ہے۔ لیکن میرے دل میں صرف ایک خیال تھا جسکو میں
 ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ عسکری نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ہندوستان صرف آپسے ملنے آئے ہیں
 مشہور مقامات مثلاً تلج محل وغیرہ کی سیران کا مقصد نہیں۔ فرمایا کہس چیز کی تلاش ہے؟ گویا میرے
 دل کی بات مجھ سے پوچھی میں نے عرض کیا جی ہاں۔ میں چاہتا ہوں۔ آپ میں مجھ میں کچھ فرق نہیں
 حاجی صاحب مسکرائے۔ چاروں طرف نگاہ ڈالی قدرے توقف کیا اور وہ الفاظ فرمائے جو ہزار
 برکتوں سے کہیں بڑھ کر تھے۔ فرمایا ہم اور تم دہاں ایک جگہ ہوں گے جس طرح ایک لوطی محنت کے
 بعد پرسکون نیند آجائے۔ ان کے الفاظ سے میری روح میں ایک طمانیت سی چھا گئی۔ مجھے
 ایسا معلوم ہوا۔ گویا مجھے گوہر مقصود ہاتھ آ گیا ہے۔ پھر میں نے گروے رنگ کا ایک لباس ان کی
 خدمت میں پیش کیا جس کو انہوں نے پہن لیا اور اپنا بھروسے رنگ کا لباس اتار کر مجھے عطا فرمایا
 اس کے بعد ان کے مرید ادگھٹ شاہ مجھے مہمان خانے میں لیگئے۔ لیکن مجھ پر خواب
 کا سا عالم طاری تھا۔ اس تصور کے عالم میں میری آنکھ لگ گئی۔ شام کے وقت ادگھٹ شاہ

ہے مسکری کے وساطت سے حضور کے بہت سے حالات بیان کئے اور ان کی کرامات کا مل
لنا یا لیکن میں نے بہت توجہ نہ کی۔ کیونکہ جو کچھ مجھے سُنا تھا وہ حاجی صاحب کی زبان پر رک
ہے سُن چکا تھا اور وہ ایسے الفاظ تھے جو کسی طرح میری یاد سے محو نہ ہو سکتے تھے۔ مجھے اتنا یاد
ہے کہ اوگٹ شاہ نے کہا کہ حاجی صاحب نے ابتدائے عمر میں ہی غالباً جب ان کا سین
اُفیس برس کا تھا کہ چہ فقر میں قدم رکھا۔ یہ بھی یاد ہے کہ اوگٹ شاہ نے حضراتِ مہوفیہ
کا مشہور اصول یعنی صوتِ قبلِ انت صوتِ بھی بیان کیا۔ ورد کے وقت اسمائے الہی کو انگلیوں
پر شمار کرنے کا طریقہ بھی بتلایا جس پر میں خود عالِ مرہ چکا تھا۔ جب رات ہو گئی تو محمدی نامی ایک
نوال دوا اور قوالوں کو ساتھ لے کر اندر آیا اور چند عافقانہ اور پُرسوز غزلیں گامیں جو تصوف کے
کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

دوسرے دن ہم لوگ حضور سے رخصت ہوئے۔ میں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے ان کا
شکریہ ادا کیا۔ لیکن میں اپنے الفاظ کی بے بضاعتی پر کڑی رہا تھا۔

میں اسی جہاز پر سوار ہو کر مصر پہنچا اور قاہرہ کے قریب حلوان کے مقام پر توفیق پل
میں قیام کیا۔ میں ایک سال پہلے بھی یہیں مقیم تھا اور یہ مقام مجھے اس لیے پسند تھا کہ اس
کے چاروں طرف صحرا تھا۔ میرے اپنے نفس کا بھی اب یہ حال تھا کہ اس کے چاروں طرف
دنیا کا وسیع ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ اور اسمائے الہی کے ورد کی خواہش اب پہلے سے بہت
زیادہ بڑھ گئی تھی۔

اسی طرح دو تین مہینے گزر گئے ایک رات خواب یا یوں کہیے کہ کشف کے عالم
میں کیا دیکھنا ہوں کہ حاجی صاحب کیلے کھڑے میری طرف دیکھ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ
انہ میں سرخ رنگ کا بڑا انار ہے۔ میں نے کی کوشش کی کہ یہ کونسا پھل ہے۔ لیکن پہچان نہ
سکا۔ پہلے میں نے کہا ٹماٹر ہے اور پھر جرمن میں کہا پراڈیز اپل یعنی انار ہے۔ حاجی صاحب
نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ اور پھر آدھا پھل خود کھا یا اور جو بچ رہا وہ مجھے دیا۔ جوں ہی میں نے

پہل ان کے ہاتھ سے زیادہ غائب ہو گئے۔ اب ان کی جگہ اوگھٹ شاہ کھڑے تھے! اوگھٹ شاہ نے کہا: مرشد کو وصال نصیب ہوا۔ اس پر میں اس قدر روپاکہ میری جھکی بندھ گئی۔ لیکن پھر بھی میں خوش تھا اور نہ جانتا تھا کہ یہ آنسو غشی کے آنسو ہیں یا غم کے۔ اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی یا یوں کہیے کہ میں عالم خیال سے عام وجود میں آ گیا۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ پہل ان کا دل ہے اور وفات سے پہلے انہوں نے اپنا آدھا دل مجھے بخش دیا ہے۔ دو تین دن بعد لندن سے شیخ حبیب احمد کا تار آیا کہ حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ عسکری نے جب میری خواب کا حال سنا اور اس کو اس قدر سچا پایا تو بہت حیران ہوا۔ مجھے اس پر کچھ تعجب نہ ہوا۔ لیکن مجھ پر اس کا بہت اثر ہوا۔ اور میرا دل عقیدت کے جذبات سے بھر گیا۔ کیونکہ اس خواب کی تعبیر وہی مبارک الفاظ تھے جو میں دیوہ شریف میں مرشد کی زبان سے سُن چکا تھا۔

جو لباس مجھے حاجی صاحب نے عنایت کیا تھا اسے میں نے کئی سال تک اپنے تکیے کے نیچے رکھا اور سونے سے پہلے میں ہمیشہ اسے بوسہ دیا کرتا۔

سلسلہ میں مجھے ایک برتر ہستی کے ذریعہ سے مجھ پر تمام کائنات کی حقیقت کا انکشاف ہونے لگا ایک ایسی ہستی کے ذریعہ سے جو عالم محسوسات سے بالاتر ہے۔ اس ہستی کے تصور کو میں نے اپنی روح کے اندر اپنے محبوب ترین دست سے بھی اونچے درجے پر رکھا۔ لیکن حاجی صاحب کی ذات کا تصور اب بھی میرے شعور اور میری بے نام روح کی گہرائیوں میں جلوہ نکلن ہے۔

پرسوں جو سوال آپ نے مجھ سے پوچھا تھا۔ اُمید ہے کہ اس کا مکمل جواب اب آپ کو مل گیا ہو گا۔ دیوہ شریف کے اس پاک طینت بزرگ کے متعلق میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔

آپ کا مخلص

گلازراو اسیکوٹ آف سینٹا کلارا